تلخیص تفہیم القرآن

- تفسیر و ترجمہ: **مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ**
- تلخیص: **مولانا صدرالدین اصلاحی**

مولانا مودودیؒ کی مشہور زمانہ تفسیر "**تفہیم القرآن**" وقت کی ایک بہترین تفسیر ہے۔ یہ پڑھنے والوں کے اندر صرف قرآن کا فہم ہی نہیں پیدا کرتی بلکہ طالبانِ حق کو ایمان کی تازگی اور عمل کی سرگرمی بھی عطا کرتی ہے اور ان کے اندر داعیانہ جذبات بھی پیدا کرتی ہے اسلام کا دعوتی مزاج تقاضا کرتا ہے کہ ایسی گراں قدر تفسیر کی اشاعت وسیع سے وسیع پیمانہ پر ہو، زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچے اسی افادیت کے پیش نظر چھ جلدوں کی طویل تفسیر ایک جامع "**تلخیص تفہیم القرآن**" ایک ہی جلد میں تیار کی گئی ہے۔

خصوصیات

تفہیم القرآن کے حواشی جوں کے توں برقرار رکھے گئے ہیں البتہ "تشریح مزید" کو قدرے مختصر کیا گیا ہے لیکن حواشی کے اصل مضامین میں کوئی قابل لحاظ کمی نہیں پیدا ہوئی ہے۔ "تلخیص" میں ترجمہ "ترجمہ قرآن مجید معہ مختصر حواشی" سے لیا گیا ہے۔
قرآن کریم کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ارشادات کا پس منظر بھی قاری کے سامنے ہو لہٰذا ہر سورہ کے آغاز میں "قرآنی سورتوں کا پس منظر" بھی لکھ دیا ہے۔ عربی متن کے نیچے ترجمانی حاشیہ پر حواشی۔

صفحات ۱۱۷۶ سائز $\frac{۲۰\times۳۶}{۸}$ (مجلد) ہدیہ روپے

مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۶

آنحضرتؐ کا سلسلۂ نسب اور اہلِ کتاب

علامہ حمید الدین فراہیؒ

مرکزی مکتبہ اسلامی - دہلی

مطبوعات اشاعت اسلام ٹرسٹ - ۹۵۷

نام کتاب: آنحضرتؐ کا سلسلۂ نسب اور اہل کتاب
از: علامہ حمید الدین فراہیؒ
ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳ چتلی قبر، دہلی ۶
اشاعت:
بار اول ۱۹۹۱ء ۲۰۰۰
" دوم ۱۹۹۴ء ۲۰۰۰

قیمت: -/۵ روپے

مطبوعہ
دعوت آفسٹ پرنٹرز دہلی ۶

مباحث

عنوانات | **صفحات**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

"یہ نسب نامہ نبوی" افادات علامہ فراہیؒ سے ماخوذ ہے، اس میں بعض نہایت بنیادی امور پر محققانہ بحث کی گئی ہے۔

اس کے مطالعہ سے ایک طرف ایسے اصولوں کی طرف رہنمائی حاصل ہوتی ہے جن سے کسی قوم کی تاریخ کو سمجھنا آسان ہوجاتا ہے۔ دوسری طرف اس سے اُن اعتراضات کی اصل حقیقت کا پتہ چلتا ہے جو اعتراضات یہود ونصاریٰ نے خانۂ کعبہ کی تاریخ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں کیے ہیں۔

یہود خاندانی رقابت کی وجہ سے چاہتے تھے کہ اُن کو نبی اسماعیل پر فوقیت حاصل ہو۔ اس خواہش کی تکمیل کے لئے انھوں نے ہر وہ حربہ استعمال کیا جس سے نبی اسماعیل کی تنقیص ہوسکتی تھی۔ اس کے لئے بائبل میں تحریف کرنے سے بھی انھوں نے گریز نہیں کیا کتنی ہی ایسی روایتیں انھوں نے گھڑ گھڑ کر اپنے صحیفوں میں داخل کیں جن کی سرے سے کوئی بنیاد

یہ تھی۔ لیکن اہلِ نظر محققین سے حقائق کو چھپانا کوئی آسان بات نہیں۔ محرفین کی تضاد بیانیاں اور اُن کی روایتوں میں پائی جانے والی بیشتر کمزوریاں خود اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ حقائق پر پردہ ڈالنے کی ناپاک سعی سے زیادہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

یہ نسب نامہ ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) ۱۹۱۶ء ۱۹۱۷ء کے شماروں میں شائع ہوا تھا۔ اسے ہم ادارۂ معارف کے شکریہ کے ساتھ منظرِ عام پر لا رہے ہیں۔ امام فراہیؒ سیمنار کے موقع پر امام فراہی علیہ الرحمہ کی اس کاوش و تحقیق کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر کے ہمیں دلی مسرت کا احساس ہو رہا ہے۔ اُمید ہے قارئین اس سے پورا استفادہ کریں گے۔

محمد فاروق خاں

۱۵ اکتوبر ۱۹۹۰ء

نسب نامۂ نبوی

اس باب میں جن حالات کا ذکر ہے، اُس میں آگے چل کر ہماری اور یہود کی تاریخ کا حصہ مشترک ہے، اور متعدد امور میں اختلافات ہیں، ان اختلافات کے علاوہ مذہبی رقابت اور تعصب کی وجہ سے نصاریٰ نے نئے مطاعن بھی اختراع کئے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ یہود و نصاریٰ کے شبہات کا جواب دیا جائے، مگر ابھی ہم ان کانٹوں میں نہیں اُلجھتے؛ اولاً ہم سادہ طور پر حالات جمع کر دیتے ہیں، اس سے فارغ ہو کر مخالفین کے شبہات سے بقدرِ ضرورت تعرض کریں گے،

سلسلۂ نسب

آنحضرتؐ کا سلسلۂ نسب تا آدم علیہ السلام حسب ذیل ہے:

محمد[1] بن عبداللہ[2] بن عبدالمطلب[3] بن عمرو[4] (ملقب بہ ہاشم) بن قصی[5] (ملقب بمجمع) بن کلاب[6] بن مرہ[7] بن کعب[8] بن لوی[9] بن غالب[10] بن فہر[11] بن مالک[12] بن نضر[13] بن کنانہ[14] بن خزیمہ[15] بن مدرکہ[16] بن الیاس[17] بن مضر[18] بن نزار[19] بن سعد[20] بن عدنان[21] بن اد[22] بن ادد[23] بن الیسع[24] بن الہمیسع[25] بن سلامان[26] بن نبت[27] بن حمل[28] بن قیدار[29] بن اسمٰعیل[30] بن ابراہیم[31]

بن آزر[۳۲] بن ناحور[۳۳] بن سروج[۳۴] بن رعو[۳۵] بن فالج[۳۶] بن عابر[۳۷] بن سالخ[۳۸] بن ارفخشد[۳۹] بن سام[۴۰]
بن نوح[۴۱] بن لامک[۴۲] بن متوشالح[۴۳] بن اخنوخ[۴۴] بن یارد[۴۵] بن مہلائیل[۴۶] بن قینان[۴۷] بن انوش[۴۸]
بن شیث[۴۹] بن آدم[۵۰] ۔

توراۃ میں حضرت آدمؑ سے دو سلسلۂ نسب مذکور ہیں، ایک جو مسلسل حضرت نوحؑ پسران لامک بن متوشائیل بن محویائیل بن عیراد بن حنوک بن قائین بن آدمؑ ۔ ان دونوں سلسلوں میں بہت زیادہ تشابہ ہے، اور بظاہر یہ دو جداگانہ روایتیں ہیں اور چونکہ عبرانی حروف میں تغیر کی بہت گنجائش ہے، اس لئے تناقض دور کرنے کی غرض سے ان ناموں میں خفیف سا تغیر کر دیا ہے ۔ حضرت ابراہیمؑ سے حضرت آدمؑ تک سلسلۂ نسب توراۃ سے ماخوذ ہے، اور صرف ۲۰ پشتیں ہیں ۔ بظاہر یہ بالکل خلاف قیاس ہے، اگرچہ توراۃ میں قرون اولیٰ کے انسانوں کی عمریں بہت زیادہ قرار دی ہیں، پھر بھی یہ مشکل حل نہیں ہوتی ۔

از آدمؑ تا ابراہیمؑ

موافق توراۃ عبرانی	۳۴۰۷
" " سامری	۲۳۲۲
" " سبعینی	۳۴۰۷

از آدم علیہ السلام تا طوفان

موافق نسخۂ عبرانی	۱۶۵۶
" " سامری	۱۳۰۷
" " سبعینی	۲۲۶۲

۱؎ تکوین ۵ء

از طوفان تا ہجرت ابراہیمؑ

موافق نسخۂ عبرانی	۳۶۵
" " سامری	۱۰۱۵
" " سبعینی	۱۱۴۵

یہ اعداد ہرگز قابل اعتبار نہیں کیونکہ نہایت قوی تاریخی شہادتیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی آدم کا وجود توراۃ کی مفروضہ قرون سے بمراتب قدیم ہے ۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ یہود کو جو سلسلۂ نسب ملا اس میں سے بہت سی کڑیاں غائب تھیں ۔ نامور اجداد کے ناموں سے ان کی اولاد پکاری جاتی تھی ۔ توراۃ میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں، بنی اسرائیل کو جا بجا صرف اسرائیل کہا گیا ہے ۔ اسی طرح حضرت شعیبؑ کو کہیں یثرو اور کہیں حباب کے نام سے یاد کیا ہے ۔ اس طرح استعمال کا یہ اثر ہوا کہ سلسلۂ نسب میں اکثر اجداد قبائل کے نام باقی رہ گئے، اور بیچ کے اسماء ساقط ہو گئے ۔ یہ نکتہ مرکوز خاطر رہنا چاہیئے کیونکہ انساب کی اکثر دقتیں اس سے رفع ہوتی ہیں ۔

قصی بن کلاب کا لقب مجمع اس لئے پڑا کہ اس نامور شخص نے خانہ کعبہ کی تولیت کو قبائل جرہم سے جو بنی اسمٰعیل کے ماموں زاد رشتہ دار تھے اور نابت بن اسمٰعیل کی وفات کے بعد خانہ کعبہ پر غاصبانہ متصرف ہو گئے، پھر واپس لیا، اور فہر بن مالک کی اولاد کو جو منتشر تھی اکٹھا کر کے مکہ کے اندر اور باہر آباد کیا ۔ اس وقت سے یہ تمام قبائل قریش کے نام سے موسوم ہوئے، اور پھر خانہ کعبہ کی تولیت پر جو وراثت ابراہیمی اور مذہبی سرداری تھی صرف قریش کا قبضہ رہا ۔

معد بن عدنان کی نسل نہایت ممتاز ہوئی اور بیشمار عدنانی قبائل عرب میں پھیل

گئے، مگر عدنان اور حضرت اسمٰعیلؑ کے درمیان جو شاخیں تھیں وہ یا تو زیادہ بارآور نہیں ہوئیں یا فنا ہوگئیں۔ اس لئے عدنان سے اسمٰعیلؑ تک سلسلہ نسب کو یاد رکھنے والے کم رہ گئے، اور محض چند ماہرین انساب کے حافظوں تک محدود رہا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اس حصۂ نسب میں باعتبار تلفظ اسماء و تعداد و تقدم و تاخر کچھ کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس پر مزید بحث جواب شبہات میں آئے گی۔ یہاں اس قدر جان لینا کافی ہے کہ نسب ناموں کے بالائی حصوں میں ایسا ہونا کچھ بعید نہیں۔ خود توراۃ میں نوح علیہ السلام سے اوپر اس کی مثال ملتی ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضرت داؤدؑ تک اگرچہ کچھ ایسا قدیم اور طویل سلسلۂ نسب نہیں پھر بھی نہایت مختلف ہے۔ بات یہ ہے کہ جن ناموں کے ساتھ کوئی قابل یادگار واقعہ منسوب نہیں ہوتا، انھیں زمانہ خواہ مخواہ یاد رکھنے کا ذمہ دار نہیں۔ پھر یہ توقع رکھنی کہ اُن کے صحیح تلفظ اور ترتیب میں بھی اختلاف نہ ہو بالکل عبث ہے۔ مگر اس اختلاف سے منتہائے نسب میں کوئی شبہہ نہیں پیدا ہوتا، اور نہ اس کے تواتر میں کوئی فرق آتا ہے۔ آج ہر یہودی جو اپنی نسبت اباً عن جدٍ بنی اسرائیل سنتا آتا ہے ایسا ہی یقین رکھتا ہے۔ حالانکہ سلسلۂ نسب اُسے ازبر نہیں ہوتا۔ یہی حال دُنیا کی تمام اقوام کا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح عدنانی عرب یہ کبھی نہیں بھولے تھے کہ وہ ابراہیم اور ہاجرہ علیہما السلام کی اولاد ہیں، اگرچہ عموماً بالائی حصۂ انھیں مسلسل یاد نہ ہو۔

ان عدنانیوں کو عرب مستعربہ کہتے ہیں کیونکہ اُن کے دادا اسمٰعیل علیہ السلام عرب میں نووارد تھے۔

بنی اسمٰعیل کا بنی جرہم سے رشتہ

مستعربہ سے پہلے عرب پر بنی قحطان حکمران تھے۔ یہ قوم عبر کی نسل سے تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام

سے اوپر چھٹی پشت میں پڑتے ہیں۔ یہ لوگ زمانۂ دراز سے عرب کے باشندہ تھے اور اس لئے ان کو عرب عاربہ کہتے ہیں۔ بنی قحطان نے بہت سی وسیع اور قوی شوکت سلطنتیں قائم کیں۔ یمن سے شمال شام تک اور دجلہ سے نیل تک ان کی حکومتیں صدیوں تک رہیں۔ اور وہ ان ممالک کے عروج و تمدن کے بھی مؤسس تھے۔ ذوالقرنین جیسا نامور اور مقدس بادشاہ اس قوم سے اُٹھا۔ اسی قوم کے ایک فرمانروا نے جس کا نام توراۃ میں ابوملک لکھا ہے ابراہیم علیہ السلام کا خیر مقدم کیا اور ان کو حلیف بنایا۔ اور اسی قوم کے ایک معزز خاندان میں جو بنی جرہم کے نام سے مشہور تھے اور حجاز میں حکمران تھے، حضرت اسمٰعیل کی شادی ہوئی۔

تاریخی قرائن سے اس امر میں کوئی شبہہ نہیں رہتا کہ حضرت ہاجرہ بنی جرہم سے تھیں اور غالباً مذکور الصدر ابوملک کی بیٹی تھیں۔

بنی قحطان و بنی اسمٰعیل کا ایک قوم بن جانا

البتہ بنی قحطان کا عنصر بنی اسمٰعیل کے سلسلۂ نسب میں شروع سے داخل ہوگیا، اور ان کی رگوں میں بہت زیادہ قحطانی خون دوڑنے لگا۔ بنی اسمٰعیل اگرچہ نووارد تھے مگر بنی قحطان نے انھیں آنکھوں پر بٹھایا۔ ان کے یہاں مہمان پرستی ایک قدیم دستور تھا جو ان کی جبلت بن گیا تھا۔ اجانب کے ساتھ ان کی فیاضی کے لئے اتنا بس تھا کہ وہ اُن کے ملک میں آکر پناہ گزیں ہوں۔

چونکہ نسل ابراہیمی کے ساتھ ان کی مدارات کا ایک طویل سلسلہ ہے جس سے نہایت اہم نتائج پیدا ہوئے۔ اس لئے ہم اس کے چند خاص واقعات کا ذکر کرتے ہیں:

(۱) اولاد حضرت ابراہیم جب بابل کی طرف سے وطن چھوڑ کر نکلی تو کنعان ہوتے ہوئے

ان ہی کے ملک میں آئی، اور اس وقت ابو ملک نے اُن سے عہد اخوت باندھا اور حضرت ہاجرہ کو اُن کی خدمت میں دیا۔

(۲) حضرت اسمٰعیلؑ جب بڑے ہوئے تو ان کی شادی اسی قوم میں ہوئی اور یہیں اِنکی نسلیں پھلیں پھولیں۔ طبری میں لکھا ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی شادی سیّدہ بنت مضاض بن عمر جرہمی سے ہوئی جن سے بارہ فرزند ہوئے، ثابت، قیدر، ادبیل، بشا، مسمع، دما، ماس، ادد، وطور، نفیس، طما، قدمہ۔

قیدیان، اور نابت وقیدر سے عرب پھیلے۔ تلفظ اسما کے اختلاف کو طبری نے لکھا۔ قیدر قیدار، ادبیل ادبال، بشا، بشام، دما، ادما، ماس مسا، اود، طما تیم، ونافس نفیس، وقیدمان، قادین، اور بھی نسخے ہیں مثلاً نفیس، قیس وقافس۔

(۳) حضرت موسیٰؑ جب قبل نبوت مصر سے بھاگے تو ایک قحطانی عرب حضرت شعیب باشندۂ یثرب کے یہاں آکر پناہ لی۔ چند سال ان کی تربیت میں رہے اور پھر داماد بن کر رخصت ہوئے۔ اور بار دگر جب حضرت موسیٰ مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر نکلے تو اسی ملک میں آئے اور حضرت شعیب نے ان کو بنی اسرائیل پر حکومت کرنے کا گر بتایا۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خود ان کی قوم نے ترک وطن پر مجبور کیا تو اسی یثرب کے قحطانی عربوں نے علی رغم قریش آنحضرتؐ کو یہ کہہ کر دعوت دی کہ آپ ہمارے گھر آجایئے، پھر ہم تمام اسود واحمر کے مقابلہ میں آپؐ کی حمایت پر کمربستہ ہیں۔ اور انھوں نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا اور خدا نے انھیں انصار کا لقب دیا۔

پس عدنانی اور قحطانی عرب باہمی مناکحت اور معاشرت سے ایک قوم بن گئے، اور اسی تشابک ارحام کی بنا پر یثرب کے بنی قحطان آنحضرتؐ کو اپنی اولاد میں شمار کرتے تھے۔

اُن کا یہ دعویٰ تمام بنی اسمٰعیل کی نسبت بھی صحیح ہوتا مگر آنحضرتؐ کی نسبت تو بالخصوص قوی تھی، کیوں کہ عبدالمطلب کا ننہال یثرب ہی میں تھا۔

بنی اسمٰعیل کا حجاز میں آباد ہونا اور خانہ کعبہ کی تعمیر

تاکہ وہ واقعات جو بنی اسمٰعیل کے حجاز میں آباد ہونے اور یہاں مکہ میں ایک مرکز توحید کی بنیاد پڑنے سے متعلق ہیں بہ ترتیب ذہن نشین ہوں ضروری ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے حالات سے آغاز کیا جائے کیونکہ وہی ان برکات کا سرچشمہ ہیں۔

سامی اقوام نے جب عرب سے نکل کر بابل میں سلطنت قائم کی تو حضرت ابراہیمؑ کے اجداد بھی وہیں جاکر مقیم ہو گئے۔ جب رفتہ رفتہ دین فطرت پر شرک کا غبار چھا گیا تو خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو مبعوث کیا۔

اس وقت بابل مرکز تمدن تھا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ایک معزز شاہی عہدہ دار تھے۔ اہل ملک نے کواکب کے بت بنا رکھے تھے اور بلند مقامات پر ان کے ہیکل قائم کیے تھے۔ بادشاہ ان کواکب کا مظہر یا اوتار سمجھا جاتا اور عملاً وہی معبود بن گیا تھا۔

حضرت ابراہیم نے ان میں توحید کا وعظ شروع کیا، اور وہ ایک مدت تک انھیں سمجھاتے رہے۔

قوم، بادشاہ اور باپ سے بحث وتکرار ہوتی رہی، مگر یہ لوگ روز بروز زیادہ سخت اور درشت ہوتے گئے۔ بالآخر جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام اہل وطن کی دشمنی سے تنگ آگئے اور اُن کی ہدایت کی کوئی اُمید نہ دیکھی تو ہجرت کا عزم کیا۔ صرف حضرت لوطؑ جو اُن کے بھتیجے تھے اور حضرت سارہ جو اُن کی بیوی تھیں، ایمان لائے تھے، ان کو ساتھ لے لیا اور ملک عرب کی طرف جو سامی قوم کا اصلی مرکز تھا۔ روانہ ہوئے، تاکہ اس کی سادہ اور آزاد زندگی میں جو موہوم پرستی کی دشمن ہے، اُس اصلی مرکز توحید کو ڈھونڈیں جو خداوند تعالیٰ کا خاص معبد ہو۔

کواکب پرستی کے بلند مقامات سے اور متمدن اقوام کے نظام زندگی سے یہ طبعاً متنفر تھے۔
اس لئے اولاً یہ مغرب کی سمت میں روانہ ہوئے، اور کنعان (زمین پست) میں پہونچے۔ چند سال
یہاں قیام کیا۔ خدا نے برکت دی اور بھیڑ بکریاں اور نوکر چاکر کی افزائش ہوئی اور ایک دولتمند
رئیس بن گئے۔ یہیں ایک میدان میں اس نواح کے ایک عرب سردار نے جس کا نام ابو ملک
تھا، آپ کو اپنا خلیفہ بنایا اور حضرت ہاجرہ کو آپ کی خدمت میں حوالہ کیا، آپ نے اس مقام
پر سات کنوئیں کھُدوائے اور چند درخت نصب کئے اور اس لئے وہ مقام بیر سبع کے
نام سے مشہور ہوا۔

حضرت ابراہیم کی عمر اسّی سے متجاوز ہو گئی مگر ہنوز کوئی اولاد نہ ہوئی، آپ نے دعا
فرمائی اور منت مانی کہ پہلا لڑکا خدا کی نذر ہوگا، خداوند تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ کے بطن سے
ایک فرزند عطا فرمایا، آپ نے اس فرزند کا نام اسمٰعیل رکھا (یعنی خدا نے سُنا)
بیر سبع سے کچھ فاصلہ پر شمال میں ایک شہر تھا، اور اہل شہر میں دولت کا وفور اور فواحش
کی کثرت تھی۔ حضرت لوطؑ کو اُن کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ وہ مدت تک ان کو سمجھاتے رہے، مگر
اہل شہر اپنے عقائد باطلہ اور افعال شنیعہ سے باز نہ آئے، اور حضرت لوط کو ستانا شروع کیا۔ خدا
کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کے پاس پیغام آیا کہ لوطؑ کے شہر پر عذاب آئے گا۔ حضرت
ابراہیمؑ نے خدا سے الحاح کی کہ شائد وہاں کوئی نیک بندہ ہو، جواب ملا کہ لوط کے گھر کے سوا سب
بدکار ہیں اور عذاب مقدر ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کو یہ بشارت ہوئی کہ حضرت
سارہ کے بطن سے بھی اولاد ہوگی اور ان کی نسل بہت بڑھے گی۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ
کی عمر ۹۹ سال کی تھی، ادھر حضرت لوطؑ کو پیغام الٰہی پہنچا کہ اپنے اہل وعیال کو لے کر اس شہر
سے باہر نکل جائیں کیونکہ کل یہ شہر تباہ کر دیا جائے گا۔ حضرت لوطؑ راتوں رات نکل گئے،

صبح کو سخت آندھی آئی، اور تمام شہر کنکر پتھر کے تلے دفن ہو گیا۔
حضرت ابراہیمؑ کو اس شہر پر عذاب نازل ہونے کی خبر ملی اور سمجھا کہ اس نواح میں
اس مرکز توحید کو ڈھونڈھنا جس کے وہ متمنی تھے عبث ہے۔ مگر حضرت سارہ حاملہ ہو گئیں،
اور دوسرے سال جب حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۱۰۰ برس کی ہوئی اور حضرت سارہؑ ۹۰ برس کی تھیں،
اُن کے بطن سے حضرت اسحٰقؑ پیدا ہوئے۔
تھوڑے انتظار کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے متعلقین کو بیر سبع میں چھوڑا اور خود
جنوب کی طرف روانہ ہوئے۔ توفیق الٰہی نے رہبری کی۔ بطحا مکہ میں پہنچے، دیکھا تو چاروں
طرف پہاڑیاں ہیں، مگر ہر طرف سے راہیں کھُلی ہوئی ہیں۔ زمین پست اور خشک اور غیر آباد
ہے۔ بیچ میں ایک چشمہ ہے (جس کا نام زمزم پڑا) اُس کے پاس ذرا دم لیا اور وہی جگہ ہمیشہ
کے لئے مقام ابراہیم کہلائی۔ تمام وادی بطحا سکون وخاموشی ویکسوئی کی تصویر نظر آئی۔
سمت غیب سے نسیم اُمید چلی اور دل شگفتہ ہو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ اسمٰعیلؑ کو بکمال شوق
اپنے یگانہ معبود کے لئے قربان کر رہے ہیں۔ اپنی نذر کو یاد کر کے سمجھا کہ یہی تعبیر ہے، اور یہیں
خدائے یگانہ کا بیت عتیق یعنی قدیم پرستش گاہ ہے۔
بیت عتیق اس وادی میں خدا کا پہلا گھر تھا۔ اور اس کے حق میں یہ مقدر تھا کہ باطل
پرستوں کو دُور پھینکتا رہے۔ چنانچہ جب یہاں کے باشندے بُت پرست ہو گئے اور جوار مکہ
سے منتشر ہوئے تو اس معبد کے پتھروں کو بغرض پرستش لیتے گئے۔ پس جب ابراہیم علیہ السلام
آئے تو بیت عتیق کا بقیہ صرف ایک چمکتا ہوا پتھر رہ گیا تھا، اسی کو یادگار سمجھا، اور اس مقام
کی نشانی قرار دیکر فوراً بیر سبع کو واپس گئے۔ اور اسمٰعیل علیہ السلام کو جو اس وقت تقریباً
۱۶ برس کے تھے اپنے ساتھ بطحا مکہ میں لائے۔ اُن سے واقعہ خواب بیان کیا۔ انھوں نے کہا، جو

آپ کو حکم ہوا ہے، بجا لایئے میں انشاء اللہ مستقل رہوں گا۔ سواری اور ملازمین کو کوہ صفا پر چھوڑا، اور اسمٰعیل کو لے کر اس مقدس جگہ کے سامنے سات بار بطور نذر کے پھرایا، اور سامنے کی ایک چٹان پر جس کا نام مروہ ہے، ذبح کرنے لگے۔ ندا آئی، بس ہو چکا یہ فقط ایک آزمائش تھی جس میں تم اور اسمٰعیل دونوں پورے اُترے۔ اسمٰعیل کو ذبح نہ کرو۔ دیکھو ایک فدیہ موجود ہے، اُسی کی قربانی کافی ہے۔ اور یہ دائمی یادرہے گی۔ تھوڑے فاصلہ پر جنگل تھا، اس طرف گئے تو جھاڑیوں میں (یہیں مسجد الکبش ہے) ایک مینڈھا نظر آیا، اُسے لائے اور قربانی کی رسم ادا کی۔ اس کے بعد الہام ہوا کہ یہیں ایک معبد بناؤ اور منادی کر دو کہ لوگ آ کر اقرار توحید کریں، اور خدا کی نذر چڑھائیں۔ یہی مرکز توحید ہے، اور اسمٰعیلؑ جو نذر کیا گیا ہے وہ اُس کا خادم ہوگا، اور میں اُسے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ اور ۱۲ اُمتیں اس کی نسل سے پیدا ہوں گی اور اس کا نام بکہ (یعنی آباد جگہ) رکھنا۔ تم اور اسمٰعیل دونوں اس عبادتگاہ کو پاک اور صاف رکھنا، ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے مل کر اس یادگار پتھر کے نیچے زمین کھودنا شروع کیا۔ قدیم بنیاد نکلی اس کو بلند کیا، اور معماروں کے پھینکے ہوئے اس پتھر کو گوشہ میں جگہ دی۔ جب گھر بن گیا تو اس کے مشرق میں حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیلؑ کو لا کر آباد کیا۔ حضرت سارہؑ اور حضرت اسحٰقؑ کو بیر شبع میں رہنے دیا، اور خود اکثر حضرت اسمٰعیلؑ کے پاس آ کر رہتے۔

توراۃ میں ہے کہ حضرت سارہ کا انتقال ہوا تو حضرت ابراہیمؑ وہاں موجود نہ تھے۔ خبر سُنی تو جا کر اُنھیں دفن کیا۔ یہود نے یہ لکھنا گوارا نہ کیا کہ وہ حضرت اسمٰعیل کے پاس تھے۔

بنی اسمٰعیل کا حجاز اور اُس کے نواح میں پھیلنا

وعدۂ الٰہی جو حضرت اسمٰعیلؑ کی برکت کا تھا، بہت جلد پورا ہوا۔ ہنوز بنی اسحٰق محض چند نفوس تھے کہ بنی اسمٰعیل کی ایک خاص جماعت تیار ہوگئی۔

توراۃ (تکوین ص ۳۷۔ ۲۵۔ ۲۸) میں لکھا ہے کہ جب حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحٰق کو اُن کے بھائیوں نے ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیا تو اسماعیلین اور مدیانیوں کا قافلہ جو بحیثیت تجار مصر کو جا رہا تھا، اسی راہ سے گزرا۔ بھائیوں نے یوسف علیہ السّلام کو کوئیں سے نکالا، اور بیس درہم پر اسماعیلین کے ہاتھ اُنھیں بیچ دیا۔

بہرحال بنی اسمٰعیل بڑھنے لگے اور تمام حجاز میں پھیل گئے۔ توراۃ میں لکھا ہے کہ یہ لوگ حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے ہے، آباد ہوئے، اور ان کے بلاد اور قلعے ان کے ناموں سے موسوم ہوئے۔ گو بنی اسمٰعیل کے ان تمام قبائل نے اولاً ترقی کی، اور حکومتیں قائم کیں، چنانچہ ملک عرب کے مختلف حصّے اب تک ان کے ناموں سے مشہور ہیں، مگر رفتہ رفتہ یا تو بالکل فنا ہو گئے یا اپنے دوسرے بھائیوں میں جذب ہو گئے۔ ثابت اور قیدار مدت تک باقی رہے، مگر آگے چل کر بنی اسمٰعیل کی یادگار صرف معد بن عدنان رہ گئے۔ پھر بنی معد میں سے صرف قبائل قریش کے ساتھ ولایت کعبہ مخصوص ہوگئی۔ اور جب قریش کی شاخیں بھی زیادہ ہوگئیں تو اکثر مذہبی خدمات بنی ہاشم کے ہاتھ میں رہیں، اس طرح پر آنحضرت کے سلسلہ نسب میں شروع سے ولایت کعبہ چلی آتی رہی۔ اور عمود نسب سے مختلف شاخیں جس قدر دُور ہٹتی گئیں، اسی قدر خانہ کعبہ میں اُن کا حصہ کم ہوتا گیا حتیٰ کہ طواف کعبہ اور چاہ زمزم اور صفا اور مروہ بالکل قریش کے ہاتھ میں رہا قریش جسے چاہتے اجازت دیتے اور جسے چاہتے منع کر دیتے۔ اس خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کو اہل اللہ اور عیال اللہ کا لقب دیا گیا۔ اور حج میں صرف مزدلفہ تک جو حدود مکہ میں ہے جاتے اور عوام سے اپنے لئے یہ امتیاز قائم کرتے کہ ہم چونکہ اہل اللہ ہیں اس لئے بیت اللہ سے منفک نہیں ہو سکتے۔ اور اگر عرب کی آب و ہوا انسان پرستی کی بالکل ضد نہ ہوتی تو یہ لوگ جیسا کہ بابل وغیرہ میں ہوا معبود

بن جاتے۔ حالات اس نقطہ تک پہونچ گئے تھے، اور قریب تھا کہ قریش کو بھی بطحا، مکہ اپنی قدیم خاصیت کی وجہ سے یہاں سے نکال دے کہ خداوند کی محض رحمت سے آنحضرت صلعم مبعوث ہوئے، اور آپ نے نہ صرف شرک اور بدعات کا استیصال کیا بلکہ اپنے خاندان کے بیجا تقدس کو بھی مٹا کر عبادتِ الٰہی اور تقرب الی اللہ میں تمام بنی آدم کو برابر کا حصہ دار بنایا، بصورت دیگر خانہ کعبہ کو اس کی اصلی غرض پر واپس لائے۔ اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو جو حکم ہوا تھا اس کو عملی صورت میں دوبارہ رائج کیا۔

شبہات یہود و نصاریٰ اب ہم یہود اور نصاریٰ کے اعتراضات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یہود کہتے ہیں:

۱ ۔ حضرت ابراہیمؑ عرب میں نہیں آئے، اور نہ حجاز میں آباد ہوئے، بئر شبع بیت المقدس کے پاس ہے اور وہی حضرت ابراہیم کا مسکن تھا۔

۲ ۔ حضرت اسحٰقؑ ذبیح تھے، اور جس پہاڑ پر ان کو ذبح کیا وہ مہوریا پہاڑ ہے جو بیت المقدس میں ہے۔

۳ ۔ اسمٰعیلؑ کو مع ان کے والدہ ہاجرہ کے حضرت ابراہیمؑ نے گھر سے نکال دیا تھا، اور وہ فاران کے بیابان میں جو حجاز سے باہر شمال عرب میں ہے چلے گئے، اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔

۴ ۔ ہاجرہؑ ایک مصری لونڈی تھیں[1] اور اسمٰعیلؑ کی شادی بھی انھوں نے ایک مصری عورت سے کردی۔

---

[1] علامہ فراہیؒ نے تفسیر سورۂ فیل میں ایک جگہ لکھا ہے "بنی اسحٰق بنی اسماعیل کو کنیز کی اولاد کہتے تھے، حالانکہ یہ بات بالکل خلاف حقیقت تھی۔ بالآخر اس کا انجام یہ ہوا کہ حضرت سارہؑ کی اولاد مصر میں غلام ہو کر بکی۔" پیدائش (۳۷: ۲۵-۲۸) میں ہے: "وہ روٹی کھانے بیٹھے اور آنکھ اٹھائی اور دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے گرم مسالہ اور روغن بلسان اور مُر اونٹوں پر لادے ہوئے آتا ہے کہ انہیں مصر لے جائیں۔ تب یہودہ نے اپنے

یہاں تک تو یہود کے اقوال ہیں، اور قدمائے نصاریٰ بھی ان کے ہمزبان تھے یہودی خاندانی رقابت کی وجہ سے بنی اسمٰعیل پر فوقیت چاہتے تھے، اور مذکورۂ بالا اقوال بنی اسمٰعیل کی منقصت کے لئے کافی تھے، مگر متاخرین نصاریٰ نے یہ دیکھ کر کہ اسلام پر یہ سب وار خالی

بھائیوں سے کہا کہ اگر ہم بھائی کو مار ڈالیں اور اس کا خون چھپائیں تو کیا نفع ہوگا، آؤ اسماعیلیوں کے ہاتھ بیچیں اور اس پر ہاتھ نہ ڈالیں کہ ہمارا بھائی اور ہمارا گوشت ہے۔ اور اس کے بھائی راضی ہوئے اور اس وقت مدیانی سوداگر ادھر سے گزرے سو انھوں نے یوسف کو کھینچ کر کوئیں سے باہر نکالا اور اسماعیلیوں کے ہاتھ بیس روپے میں بیچا اور وہ یوسف کو مصر میں لائے۔"

علامہؒ نے بائبل کے اس اقتباس کو نقل کرکے لکھا ہے کہ "یہ ان (بنی اسرائیل) کی غلامی کی تمہید تھی۔ اس کے بعد ایرانیوں، مصریوں اور رومیوں نے یکے بعد دیگرے ان کو گرفتار کیا اور غلام بنایا۔ اس کے برخلاف حضرت ہاجرہ کی اولاد اپنی پوری تاریخ میں کبھی غلامی کی ذلت سے آشنا نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ان کی حفاظت فرمائی، بلکہ ...... بنی اسماعیل نے اپنے اسرائیلی بھائیوں کے دشمنوں سے ان کی ذلتوں کا انتقام لیا۔ ان کو ان کے دشمنوں کے ہاتھوں سے خریدا اور اب بھی ایک عرصے سے ممالک اسلامیہ ہی ان کے لیے جائے پناہ ہیں۔"

آگے چل کر علامہ نے لکھا ہے کہ کسی بھی موقع پر بنی اسماعیل نے ان کو غلام بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ شریف بھائی کی طرح ہر موقع پر ان کی مدد کی اور ان کے دشمنوں سے انتقام لیا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بنی اسماعیل کو بنی اسرائیل کے مقابلہ میں خدا سے زیادہ تعلق اور لگاؤ رہا ہے۔ یہود نے صرف شرارتوں اور بت پرستی ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ بارہا اللہ تعالیٰ کو یک قلم چھوڑ بیٹھے ہیں (یرمیاہ باب۲)۔ جب کہ خدا کا دامن عربوں نے کسی بھی دور میں نہیں چھوڑا۔ البتہ انھوں نے خدا کے دربار کے لیے بہت سے سفارشی ضرور ٹھہرا لیے تھے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انھوں نے خدا سے بالکلیہ علیحدگی اختیار کرلی ہو۔ وہ حج کرتے تھے۔ اللہ کے نام کی تکبیر بھی کہتے تھے۔ اس کی پرستش و عبادت بھی کرتے تھے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ بنی اسماعیل اپنے اصل دین سے اس وقت دور ہوئے جب کہ امتداد زمانہ کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی تعلیمات بالکل فراموش ہوگئیں اور یاددہانی کے لیے کوئی دوسرا نبی بھی نہ آیا۔ اس کے باوجود ان کے اندر ایسے لوگ اچھی خاصی تعداد میں پائے جاتے تھے جو بت پرستی سے متنفر تھے اور دین حنیفی پر قائم تھے۔ جب کہ یہود نے اپنے نبی کی موجودگی بلکہ عین نبی کے سامنے گوسالہ پرستی کی۔ ان کے نبی کی وفات کو کچھ زیادہ دن نہیں گزرے کہ وہ شرک اور بت پرستی کی لعنتوں میں بار بار گرفتار ہوئے۔ (دیکھیں تورات کی کتاب قضاۃ اور سلاطین)

جاتے ہیں اور نئے اعتراضات اختراع کیے، جو حسب ذیل ہیں:

۵ ۔ خانہ کعبہ کو ابراہیم علیہ السّلام سے کچھ سروکار نہیں۔ یہ بُت پرست عرب کا ایک مندر تھا، اور چونکہ عرب پر اس کا منہدم کرنا شاق ہوتا اس لیے اگرچہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بتوں کو توڑا اور بُت پرستی کو مٹایا، مگر بُت خانہ کو مع اس کے رسوم کے مجبوراً رہنے دیا اور ضروری اصلاح پر اکتفا کی۔

۶ ۔ عرب حضرت ابراہیمؑ کی اولاد نہیں ہیں، یہ دعویٰ صرف قرآن میں کیا گیا ہے، جیسا کہ خانہ کعبہ کو بنیاد ابراہیمی کہا گیا ہے۔

۷ ۔ کتاب استثنا جس میں یہ مذکور ہے کہ فاران سے نور الٰہی چمکا غیر معتبر ہے۔

۸ ۔ قرآن میں جو قصے ہیں وہ یہود و نصاریٰ سے سُنی سنائی باتیں ہیں، اور اکثر عمداً یا سہواً نقل مطابق اصل نہیں، اور اس لیے جو حکایتیں توراۃ کے خلاف ہیں وہ غلط ہیں۔

اگر ان شبہات پر پوری تفصیل اور ربط کے ساتھ بحث کی جائے تو یہ کتاب تاریخی حیثیت سے نکل کر مناظرات کی جولان گاہ بن جائے گی جو یہاں بالکل بے محل ہوگا۔ یہود اور نصاریٰ کے جواب میں مسلمانوں نے مستقل کتابیں لکھی ہیں اور ان شبہات کا پورا استیصال کر دیا ہے۔ یہاں صرف ناظرین کے خلجان کو دور کرنا ہے اور نہایت اختصار سے کام لینا ہے، اور چونکہ اعتراضات اہلِ کتاب کی طرف سے تھے اس لیے جواب میں زیادہ تر ان ہی کے کلام سے استناد کیا گیا ہے۔

پہلے شبہ پر نظر

حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کا ذکر تکوین کے باب ۱۲ و ۱۳ میں مذکور ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیت المقدس کی طرف ہرگز نہیں گئے بلکہ حجاز کا رُخ کیا۔ خلاصہ بیان یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ مع حضرت لوطؑ

اور حضرت سارہؑ حاران سے کنعان کو آئے اور پھر وہاں سے شیکم ہوتے ہوئے مورہ کو گئے، اور ایک مذبح بنایا، اور بیت ایل کے مشرق میں خیمہ زن ہوئے، (یعنی یہیں سکونت اختیار کی) اور جنوب کی طرف برابر چلے گئے، اور مصر ہو کر گزرے۔ اس کے بعد پھر ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابراہیمؑ مصر سے نکل کر جنوب میں گئے، بیت ایل تک پہونچے، اور لوطؑ کو اُتر کی طرف روانہ کیا۔ ان روایتوں میں بہت کچھ بے ترتیبی ہے، اور پھر باب ۱۴ بڑھایا ہوا ہے، اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ بیت ایل (بیت اللہ) حجاز میں نہ ثابت ہو۔ ہم ان تصرفات کی پوری تشریح بخوف طوالت نہیں کر سکتے۔ خاص خاص مواقع کا ذکر اثناء بیان میں آ جائے گا۔ یہاں صرف ہجرت ابراہیمی کو متعین کرنا ہے۔ پورے بیان کو بتامل دیکھیے تو جنوب کی سمت متواتر سفر کرنا اور مصر سے گزرنا، اور مروہ تک جانا، اور بیت اللہ کے مشرق میں سکونت پزیر ہونا، صاف ظاہر ہوتا ہے، یعنی کنعان مبدء سفر ہے، مصر گزرگاہ ہے اور منتہائے سفر بیت اللہ اور مروہ ہے۔ اگر ان مقامات کی تعین کر دی جائے تو اصل حقیقت منکشف ہو جائے گی۔

(۱) تعیّنِ کنعان

رحلت ابراہیمی میں کنعان سے صرف عرب کا شمالی و مغربی حصّہ مراد ہے۔ کنعان کا اصلی مرکز عرب میں تھا، مگر چونکہ کنعانیوں کے مساکن دُور دُور تک پھیلتے رہے، اس لیے یہ لفظ بھی وسعت حاصل کرتا گیا۔ اور سواحل شام پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ قدیم زمانہ میں مصر سے ان کے تعلقات جنگ و صلح اکثر رہا کیے ہیں۔ عرب قافلۂ تجارت مصر کو جاتا ہوا کنعان سے گزرتا تھا۔ یہیں حضرت یعقوبؑ رہتے تھے اور حضرت یوسفؑ کو یہیں سے قافلہ اسماعیلین مصر کو لے گیا۔ مصری کتبات میں لکھا ہے کہ عبری قوم کو جو خانہ بدوش عرب تھے، مصر میں سکونت کی اجازت ملی۔ اس سے بنی یعقوب کے مصر میں آباد ہونے کی تصدیق ہوتی ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبری قوم

عرب کی ایک شاخ ہے اور عرب ہی سے نکل کر مصر میں منتقل ہوئی تھی۔ حضرت موسیٰؑ مصر سے اولاً بھاگ کر یہیں آئے اور بارِ دگر بنی اسرائیل کو لے کر یہیں پہنچے۔ یہیں سے کلب (یعنی کلیب) کو شمال میں بھیجا۔ یہود نے اکثر اُن اقوام کے نسب پر کوئی نہ کوئی داغ لگا دیا ہے جن سے اُن کی لڑائیاں رہی ہیں۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ اسی بنا پر تکوین میں لکھا ہے ص ۱۰، ۶، ۷

بنی حام کوش اور مصریم اور فوط اور کنعان ہیں، اور بنو کوش سبا اور حویلہ اور سبہ اور رعمہ وسبتکاہ ہیں۔ اس کے متعلق انسائیکلوپیڈیا میں ہے، کہ اگر درحقیقت کوش سے اتھوپیا (حبش) مراد ہے، اور مصریم سے ایجپٹ اور فوط سے لیبیا۔ اور اگر حام درحقیقت عبرانی شکل ہے۔ قبطی زبان کے لفظ کامت (سیاہ) کی تو یہ عبارت تکوین مشکلات کا مجموعہ ہے۔ لیکن اگر کوش، مصریم اور فوط شمال عرب میں ہیں، اور حام مختصر ہے یرحم (جرہم) کا تو تمام دقتیں رفع ہو جاتی ہیں۔ اور کنعان کی نسبت تو بالخصوص معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ عربی نام ہے۔ یہ بات محقق ہے کہ تقریباً ۴ ہزار سال قبل از مسیح بنی سام کی ایک موج عرب سے اٹھی اور بابل کو تو یقیناً غالباً کم و بیش شام اور فلسطین کو غرقاب کر دیا۔ اور ۲۸۰۰ اور ۲۶۰۰ کے درمیان ایک دوسری موج عرب سے اٹھی، اور نہ صرف بابل بلکہ شام اور فلسطین اور غالباً ایجپٹ پر چھا گئی۔ اس سے تھوڑی مدت کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عظیم موسس شہنشاہی و تمدن حمورابی (ابو جرہم) تمام ممالک بابلیہ کا پہلا بادشاہ ہوا۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس کے نام کا پہلا جزء جس کو کتاب تکوین میں حام پدر کنعان لکھا ہے اس کے عربی الاصل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

اس عبارت سے علاوہ اس کے کہ کنعان کے عرب میں ہونے کا اقرار ہے، اور یہ کہ بنی سام کا اصلی وطن عرب تھا، یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا خاندان کیوں کر بابل

پہنچے، اور پھر جب اُنھوں نے دیکھا کہ دولت اور حکومت نے ان کی قوم کو بالکل ناقابل اصلاح کر دیا تو وہ اپنے آبائی ملک اور قومی و مذہبی مرکز کی طرف واپس آئے۔ پہلے کنعان پہنچے، اور پھر وہاں سے برابر جنوب کی طرف بڑھتے گئے تا آنکہ بیت ایل تک پہنچ کر قدیم مرکز توحید کو نئے سرے سے زندہ کیا۔

تعیینِ مصر

ہمارا دعویٰ ہے کہ مصر سے یہاں پر صرف عرب کا شمالی و مغربی حصہ مراد ہے۔ جو کنعان سے جنوب بھی پڑتا ہے نہ مصر نیل۔ انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ اسیریا کے کتبوں سے صاف واضح ہوتا ہے کہ مصر سے صرف عرب کا شمالی و مغربی حصہ مراد ہے۔ اور بائبل مصر نیل کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس لئے اس مسئلہ پر علماء میں بہت بحث رہی۔ مگر بالآخر یہ تسلیم کرنا پڑا کہ بیشک مصر کا اطلاق عرب کے شمالی و مغربی حصہ پر ہوتا تھا۔ بعض اہل نظر ہر موقع پر یہی مراد لیتے ہیں، مگر یہ تعمیم ٹھیک نہیں۔ (خلاصۃ) ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ بائبل میں ہر جگہ مصر سے عرب کا شمال و مغربی گوشہ مراد لینا چاہئے لیکن رحلتِ ابراہیمی میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کنعان سے نکلے اور مصر سے گزرتے ہوئے جنوب کی سمت میں برابر چلتے رہے تو مصر نیل جو بہت دور مغرب کی طرف ہے، کیونکر مراد ہو سکتا ہے۔

بیتِ ایل

بیت ایل کا بیت المقدس کے پاس فلسطین میں ہونا جیسا کہ اہل کتاب کا دعویٰ ہے ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا، اور اس کے حسب ذیل وجوہ ہیں؛

۱۔ یہود نے اولاً عرب میں قوت حاصل کی، اور آہستہ آہستہ شمال کے ممالک فتح کئے۔ حضرت داؤدؑ کے زمانہ تک فلسطین مفتوح نہ ہوا تھا، اور قوم یہود شمال و مغرب عرب میں پڑی رہی۔ جب فلسطین پر تسلط ہو گیا تو حضرت سلیمانؑ نے وہاں بیت المقدس بنایا۔ اس کے بعد یہود نے اس کی بزرگی ثابت کرنے کے لئے بہت سی روایتیں اپنے صحف میں داخل

کردیں۔ یہود کی یہ عام عادت تھی کہ اشخاص اور مقامات کے ناموں سے متعلق روایتیں گھڑلیا کرتے تھے، اور قدیم ناموں کو بدل کر نئے نام رکھ دیتے تھے۔ چونکہ یہ روایتیں مختلف زمانوں میں مختلف مصنفین نے داخل کی ہیں، اُن کا تناقص اور بے ربط ہونا بادنیٰ تأمل ظاہر ہوجاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کی نسبت قصے داخل کردیئے گئے ہیں کہ وہ بیر شبع سے سفر کرکے شمال میں گئے، اور بیت المقدس کے پاس بیت ایل میں آئے۔ انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ "یہ تینوں قصے غلط روایات سے ماخوذ ہیں۔ اس زمانہ میں جو فلسطین کی حالت تھی اس کے رُو سے خلاف قیاس ہیں" بالخصوص حضرت ابراہیم کے متعلق جو روایت ہے کہ وہ بتقریب جنگ بیت المقدس کی طرف گئے، اور وہاں یروشلم کے ایک نبی بادشاہ سے جن کا نام ملک صدیق تھا ملاقات کی اور مال غنیمت کا عشر ادا کیا۔ اس کی نسبت اہل نظر لکھتے ہیں کہ بالکل بے ربط قصہ ہے اور بعد کو داخل کیا گیا ہے۔ اس قصہ کی صحت یا قدامت کا ثبوت نہ تو سکانی حروف کے کتبات سے ملتا ہے، نہ اور کہیں سے[1]

۲۔ یہود کی مختلف روایات نے بیت ایل کو ایسا مشتبہ کردیا کہ اس کی تعیین وہ خود نہ کرسکے، بالآخر ایک مقام کو نامزد کیا، اور اس کو بیت المقدس سے گیارہ میل شمال میں قرار دیا۔ یہ اس لئے تاکہ بیت المقدس کو مذبح ابراہیمی قرار دیں کیونکہ اُن کے یہاں یہ بھی روایت ہے کہ

[1] نولدیکی اور دیگر اہل نظر اس تمام قصے کو بے اصل قرار دیتے ہیں۔ اس قصہ کے اندرونی مشکلات پر خیال کرکے اس نتیجہ سے بچنا مشکل ہے کہ یہ قصہ بہت ہی اخیر میں اضافہ کیا ہے جیساکہ ولہاسن اور دیگر مصنفین کا بھی خیال ہے، (انسائیکلوپیڈیا متعلق سفر ابراہیم بطرف شمال)۔

حضرت ابراہیمؑ بیر شبع سے صبح کو چلے اور تیسرے روز مذبح کے پاس پہنچے، مگر یہ روایت خود باطل ہے۔ بیت ایل سے مذبح کیوں اتنی دور رکھا، اور پھر بیت ایل اصلی معبد تھا تو یہ بات کیوں کر تسلیم کی جائے کہ حضرت ابراہیمؑ کی بنا کردہ معبد کو چھوڑ کر حضرت سلیمان نے اس سے گیارہ میل ہٹ کر بیت المقدس کی بنیاد ڈالی۔

۳۔ بیت ایل کو لکھا ہے کہ جبرون میں ہے، اور پھر ایک جگہ لکھا ہے کہ پہلے زمانہ میں جبرون کا نام قریات عربا تھا۔

تعیین مروہ

چونکہ قربان ابراہیمی کی اصلی جگہ یہی مروہ ہے، اس لئے اس کی تعیین زیادہ مہتم بالشان ہے۔ یہود نے بہت کوشش کی ہے کہ اس کو بیت المقدس میں ثابت کریں، مگر اس کے متعلق سخت اختلاف بیان ہے، تکوین ص ۲۲-۲ میں ہے۔

"ارض موریہ کی طرف جا اور وہاں ایک پہاڑ پر جس کو میں بتاؤں گا، قربانی چڑھا" بشپ کولنزو نے اس کے متعلق جو بحث کی ہے، ہم پہلے اس کا ملخص لکھتے ہیں، وہ اس لفظ کے متعلق توراۃ کے نسخوں کا اختلاف حسب ذیل بیان کرتے ہیں،

نسخ توراۃ	وہ مقامات جہاں یہ لفظ آیا ہے	صورت لفظ مروہ
عبرانی	تکوین ص ۲۲ - ۲	(۱) طرف ارض مورہ
	تکوین ص ۱۲: ۶	(۲) میدان مورہ
	تثنیہ ص ۱۱: ۳	(۳) بطرف میدان مورہ
	قضاۃ ص ۷: ۱	(۴) نزدیک کوہ مورہ
ترجمہ سبعین	تکوین ص ۲۲: ۲	(۱) سوئے زمین بلند
	تکوین ص ۱۲: ۶	(۲) بلند بلوطہ

ترجمہ سبعین — تثنیہ ص ۱۱: ۳۰ — (۳) نزدیک بلوط بلند

قضاة ص ۷: ۱ — (۴) نزدیک کوہ مورہ

ترجمہ اکولا — تکوین ص ۲۲-۲ — (۱) طرف زمین نمایاں

ترجمہ سماخس — (۱) طرف زمین رویا

اس کے بعد لکھتے ہیں، بائبل کے تمام صحف میں جو حضرت سلیمانؑ کے بعد ہیں، اور تمام انبیاء کے صحف میں اور مقدم مزامیر میں بلا استثناء وہ پہاڑ جس پر بیت المقدس بنایا گیا، صیہون کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اور مقام ہیکل کو کہیں موریا نہیں کہا گیا۔ یہود کا دعویٰ ہے کہ موریا وہیں ہے جہاں بعد کو (مسجد بیت المقدس) ہے، اس کے خلاف نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کے مصلوب ہونے کی جگہ اُسے قرار دیا۔ قربان گاہ ابراہیمی کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ابراہیمؑ نے اُسے دُور سے دیکھا اور یہ کہ مشرق سے آئے۔ یہ صفت ہیکل یہود پر صادق نہیں آتی، کیونکہ مشرق سے مسافر وادی، شام ہوکر آتا ہے، اور بالکل قریب آجاتا ہے تو ہیکل پر اس کی نگاہ پڑتی ہے۔" (خلاصۃً) پھر لکھتے ہیں کہ اسطانلی نے اپنی منقح رائے اس طرح پر لکھی ہے۔

"اپنے خیمے سے جو بیر سبع میں تھا، صبح کو حضرت ابراہیم روانہ ہوئے، اور اس مقام کی طرف جس کا خدا نے حکم دیا تھا، چلے، یہ جگہ وہ نہیں ہے جس کے یہود مدعی ہیں کہ بیت المقدس کے جبل موریا پر ہے، اور اس سے بھی زیادہ خلاف قیاس ہے جس کے نصاریٰ مدعی ہیں کہ قبر مقدس کے پاس ہے، اور اس سے خلاف قیاس ہے جس کے مسلمان مدعی ہیں کہ جبل عرفات پر ہے۔ جبل جریزیم زیادہ تر مذبح کی شکل پر ہے۔ غالباً یہی مذبح ابراہیمی ہے۔ جبل جریزیم پر سامری یہود کا معبد تھا اور وہ مقام وسیع اور مسطح ہے۔ اس بنا پر ارسطانلی کی رائے ہے کہ موزوں تر جگہ یہی ہوسکتی ہے۔

عبارت بالا کا ماحصل حسب ذیل ہے:

(۱) عبرانی اور سامری یہود اور نصاریٰ مذبح ابراہیمی کو مختلف مقامات پر قرار دیتے ہیں۔

(۲) یہود نے بیت المقدس کے جس پہاڑ کا نام موریا رکھ دیا نہ تو اس کا یہ پہلے نام تھا اور نہ اس پر مذبح ابراہیمی کی صفات راست آتی ہیں۔

(۳) سامری یہود کا جبل جریزیم صرف اس لئے مذبح ابراہیمی قرار دیا جاسکتا ہے کہ اس کی شکل اس مقصد کے لئے بہ نسبت کوہ صیہون اور عرفات کے زیادہ موزوں ہے۔

(۴) مذبح ابراہیمی جس مقام پر ہو اس کے نام کے متعلق بائبل کے نسخوں میں سخت اختلاف ہے۔

امر اول اور دوم پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں، امر سوم کے متعلق صرف یہ کہنا ہے کہ مذبح ابراہیمی کے تعلق اور وسیع جگہ کی ضرورت نہیں بتائی گئی۔ اور نہ یہ امر خود مذبح ہی کے لئے ضروری ہے اور نہ صرف کوہ جریزیم پر صادق آتی ہے۔ رہا کوہ عرفات کا معاملہ تو مسلمان ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتے۔ اس لئے اس کی تردید کی یہاں ضرورت نہیں۔ امر چہارم کسی قدر تفصیل طلب ہے، یعنی یہ دیکھنا کہ اصل حقیقت کیا تھی، اور یہ اختلافات کیوں کر پیدا ہوئے۔

شبہہ ثانی پر نظر

پہلے شبہہ کے جواب میں جو کچھ لکھا گیا اس کے بعد یہ شبہہ خود بخود رفع ہوجاتا ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ قربان گاہ خلیل جبل مروہ ہے جو بطحائے مکہ میں ہے تو اہل کتاب خود حضرت اسحاقؑ کا مکہ سے کوئی تعلق نہیں مانتے، لیکن ہمارے دعوے پر اور بھی مستقل دلیلیں ہیں جن میں سے بعض کو ہم مختصراً یہاں لکھتے ہیں:

(۱) بائبل میں بہ تصریح موجود ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو اپنے اکلوتے لڑکے کو قربان

کرنے کا حکم ہوا۔ اور یہ بھی ہے کہ حضرت اسحاق کی پیدائش اس وقت ہوئی جب حضرت اسمٰعیلؑ چودہ۱۴ سال کے ہو چکے تھے۔ اب حضرت اسحاقؑ کیونکر اکلوتے ہو سکتے ہیں۔

۲۔ بائبل میں بتصریح موجود ہے کہ حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی بشارت جب حضرت ابراہیمؑ کو دی گئی تو اسی کے ساتھ اُن سے یہ بھی کہا گیا کہ اُن کی نسل بہت زیادہ ہوگی۔ اب یہ کیونکر ممکن ہے کہ اُن سے پھر کہا جائے کہ ان کو ذبح کردو۔ یہ کہنا فضول ہوگا کہ جب حضرت اسحاق صاحب اولاد ہو چکے تو قربانی کا حکم دیا گیا، کیونکہ خود بائبل میں لکھا ہے کہ جب حضرت اسحاقؑ کی عمر ۶۰ برس کی ہو چکی تو اُن کا پہلا لڑکا پیدا ہوا، اور قربانی کے قصہ میں صاف موجود ہے کہ جو قربان کیا گیا وہ ہنوز کمسن بچہ تھا۔ قرآن مجید میں بھی ایسا ہی ہے۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کی نسبت جو برکت اور ترقی کی بشارت حضرت ابراہیمؑ کو ملی اس کے متعلق بائبل میں کہیں نہیں کہ وہ اُن کی پیدائش سے پہلے یا فوراً بعد پیدائش دی گئی بلکہ قربانی واقع ہونے کے بعد ایک بشارت حضرت ابراہیمؑ کو ان الفاظ میں دی گئی، میں اپنی ذات کی قسم کھاتا ہوں کہ چونکہ تو نے یہ کام کیا اور اپنے اکلوتے لڑکے دینے میں دریغ نہ کیا، میں تجھ کو بڑی برکت دوں گا، اور تیری نسل کو آسمان کے تاروں اور ساحل بحر کے ریگ کی مثل بڑھاؤں گا تیری نسل اپنے دشمنوں کے دروازوں کی وارث ہوگی، اور تمام ساکنانِ زمین اس سے برکت پائیں گے۔ یہ اس لئے کہ تو نے میرے حکم کو مانا۔[1]

اہل کتاب اس بشارت کو حضرت اسحاقؑ کے حق میں سمجھتے ہیں۔ حضرت اسحاق کی نسبت تو پہلے ہی بشارت ہو چکی تھی، اور بنی اسرائیل تو اپنے دشمنوں کو خود اپنے دروازے سے

---

[1] تکوین ص۲۲ و ۱۶-۱۸

[illegible] سکے۔ یا با اسیر ہو کر بابل اور مصر میں پکڑ کر گئے، اور ہمیشہ انھیں دشمنوں نے کچلا۔ خیر یہ تو الگ بات ہے کہ یہ بشارت بنی اسرائیل پر ہرگز صادق نہیں آئی، اور یہ اسی لڑکے کا حق ہے جو قربان کیا گیا۔ یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ قربانی سے پہلے جس کے متعلق کثرتِ نسل کی بشارت دی گئی ہو اس کے ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔

۳۔ باایں ہمہ کہ یہود کی مذہبی عبادات کا جزوِ اعظم محض قربانی ہے۔ مگر تمام بائبل میں کہیں بھی اس کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ کی یادگار قرار نہیں دیا گیا، حضرت موسیٰؑ اس کے بانی ہیں اور اس کی بنیاد یہ بتائی ہے کہ چونکہ خدا نے قوم فرعون کے تمام پہلی اولاد کو مار ڈالا، اس لئے تم اس کے شکریہ میں ہر پہلی پیداوار کو نذر کرو۔ انسان کے بدلے جانوروں کو ذبح کرو، برخلاف ہمارے یہاں حج فرض ہے۔ اور عرب میں ہمیشہ قائم رہا اور تمام مناسک حج میں سنتِ ابراہیمی کی یادگار قائم رکھی گئی، اس کے متعلق کسی قدر مزید تفصیل آگے آئے گی۔

شبہہ ہشتم پر نظر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی حکایتیں صحفِ یہود سے کہیں کہیں مخالف ہیں مگر اس سے قرآن مجید پر بجائے شبہہ ہونے کے زیادہ اعتماد ہوتا ہے۔ ایک مدت دراز سے محققین اہلِ کتاب لکھتے تھے کہ صحفِ یہود پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں، مگر اس صدی میں جب مصر و بابل اور شام، اور بعض اطراف عرب میں قدیم کتبات نکلے، اور قرونِ متطاولہ کی تاریخ کا ایک نیا دروازہ کھل گیا تو بائبل کے ناقدین اور مقلدین میں بہت کچھ صلح ہوگئی۔ جہاں ایک حد تک بائبل کی تصدیق ہوئی وہاں یہ بھی مسلّم ہوگیا کہ اس موجودہ بائبل میں بہت ترمیم اور بے اصل واقعات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ گویا بالکل ہمارے عقیدہ سے اتفاق کیا گیا ہم اصل بائبل کو مانتے ہیں مگر اس

امر کے قائل ہیں کہ اس میں بہت کچھ تبدّل اور تغیّر ہوئے ہیں۔ اور اب حق اور باطل کی تمیز نہایت مشکل ہوگئی ہے۔

یہ بات قابل لحاظ ہے کہ قرآن مجید ان مہمل متناقض روایتوں سے خالی ہے اور قصص یہود کے علاوہ جو تاریخی واقعات قرآن مجید میں ہیں، اس کی تصدیق قدیم کتبات سے ہوتی ہے۔

البتہ ہمارے یہاں جو روایتیں احادیث میں ہیں وہ دو قسم کی ہیں، کچھ تو خالص عربی الماخذ ہیں، اور کچھ یہود سے ماخوذ ہیں، جو یہود سے ماخوذ ہیں وہ اکثر قابل اعتماد نہیں۔ مگر جو خالص عربی ہیں، ان کی بھی قدیم کتبات سے تصدیق ہوتی ہے، مثلاً لکھا ہے:

"عرب روایت کرتے ہیں کہ فرعون یوسف عمالیق میں سے تھا، اور اس کا نام ریان بن ولید تھا۔ . . . مصر میں ایک مجسمہ نکلا ہے جس پر تصویری حروف میں ریان لکھا تھا۔ اس بنا پر ڈاکٹر رین اور مسٹر کوپ وائٹ ہاؤس لکھتے ہیں کہ "یہ عربی روایت واقعات پر مبنی ہے" یا مثلاً ہمارے یہاں لکھا ہے کہ فرعون موسیٰ کی بیوی کا نام آسیہ تھا اور وہ مومنہ تھیں۔ قدیم مصری کتبات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرعون موسیٰ کی خاص بیوی کا نام آسیہ تھا، اور قومیت اور مذہب میں فرعون سے مختلف تھیں۔

ان شہادتوں سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، اوّل یہ کہ قرآن مجید کا ماخذ بائبل نہیں بلکہ وہ خود مستقلاً واقعات کو بیان کرتا ہے، دوم یہ کہ بائبل سے اختلاف کرنے میں اس پر کوئی اعتراض نہیں پڑ سکتا۔